خلع کی حقیقت اوراس کے شرعی وقانونی پہلو

مولانا مفتی محمد ظفر عالم ندوی
(استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

خلع کی ضرورت ومصلحت

باب نکاح میں شریعت اسلامی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رشتۂ نکاح ایک دفعہ قائم ہونے کے بعد پھر اسے توڑا نہ جائے، اس لئے طلاق کی عام صورتوں کی طرح، طلاق کی خاص صورت ''خلع'' کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس خاتون نے بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا، اس پر جنت کی بو بھی حرام ہوگی'' (ترمذی ۱/۱۴۲)، لیکن چونکہ بعض دفعہ ازدواجی زندگی کی الجھنوں اور بے سکونیوں کا حل اسی میں مضمر ہوتا ہے کہ زوجین کو ایک دوسرے کی وابستگی سے آزاد کردیا جائے اس لئے شریعت نے ان مخصوص حالات اور مواقع کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، لہذا اگر رشتہ کا نباہ ممکن ہو تو عورت کا بلاضرورت خلع کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے:

[وهو مكروه إلا فى حال مخافة أن لا يقيما حدود الله أو واحد منهما ما أمر به وقد ينشأ ذلك عن كراهة العشرة] (فتح البارى ٩/٣٤٦)

''خلع مکروہ ہے، سوائے اس زوجین کے یا ان میں سے ایک سے ایک اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں پر قائم رہنے کے سلسلہ میں اندیشہ رکھتے ہوں اور کبھی کبھی اس سے ازدواجی زندگی میں ناخوشگواری پیدا ہوتی ہے) بلکہ ابن قدامہ کا خیال ہے کہ حدیثیں بلاحاجت خلع کو حرام قرار دیتی ہیں: (المغنی ۷/ ۲۴۸)۔ البتہ حاجت وضرورت کے وقت عورت کا مطالبہ

خلع جائز ودرست ہے:[ولا بأس بہ عند الحاجۃ] (الدر المختار علی الرد ۲/ ۵۵۸)اسی طرح اگرعورت کے مطالبہ تفریق کے لئے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہواور مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی بھی نہ پائی جاتی ہو،مگرعورت کوشوہر کی طرف سے اس درجہ نفرت ہو کہ طبیعت کو کسی طرح اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ کرپاتی ہواوراس کی وجہ سے شوہر کے ساتھ حق تلفی کا اندیشہ ہوتو یہ بھی ایک حاجت ہی ہے،جس کی شریعت میں رعایت کی گئی ہےاوراسے دفع کرنے کی ہدایت بھی موجود ہے جیسا آیت قرآنی:﴿فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ﴾ (البقرہ ۲/ ۲۲۹) میں صراحت ہےاوراحادیث نبوی میں اس کی طرف رہنمائی موجود ہے۔امام بخاری نے جامع صحیح میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اخلاق وسلوک اوردین کے معاملہ میں شاکی نہیں تھیں اوراس کی برملا معترف تھیں مگراس کے باوجود دل ان کی طرف مائل نہیں تھااور کہتی تھیں کہ میں نہیں چاہتی ہوں ان کے ساتھ ناشکری اورکفران نعمت کا معاملہ ہو،حضرت ثابت بن قیسؓ نے اپنی بیوی کومہر میں ایک باغ دیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ باغ واپس لے لیں اورطلاق دے دیں۔(بخاری،نسائی،ابن ماجہ،بحوالہ نیل الاوطار ۶/ ۲۴۶)۔

خلع کی ضرورت ومصلحت پراس مختصر گفتگو کے بعد اب ہم اس کی حقیقت اورتفصیل کی طرف آتے ہیں:

خلع کا مفہوم

لغت میں خلع کہتے ہیں اتارنے کو،عرب اس لفظ کا استعمال کپڑے اتارنے کے لئے کرتے ہیں،قرآن مجید نے میاں بیوی کوایک دوسرے کے لئے لباس قراردیا ہے،اس تعبیر پر یہ حسین کنایہ ہے کہ میاں بیوی نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے کے لئے لباس بنے ہوئے تھےاس لفظ سےاس کواتارااورختم کیاجارہاہے۔

احکام شریعت کے ماہرین فقہاء کرام نے خلع کا ایک خاص مفہوم بتایا ہے،مختلف فقہاء نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں،ان سب کا حاصل یہ ہے کہ:بیوی کی خواہش پر شوہر

کا لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ کچھ بدل لے کر عقد نکاح کو زائل اور ختم کر دینا خلع کہلاتا ہے۔

"ازالة ملك النكاح المتوفقه على قبولها بلفظ الخلع (او معناه)"(الدر المختار علی ردالمحتار ۲/ ۵۵۶-۵۵۷، فتح القدیر لابن ہمام ۳/ ۱۹۹، مجمع الأنھر آفندی ۱/ ۴۴۷، بدائع الصنائع للکاسانی ۳/ ۱۵۱ وغیرہ۔

الفاظ خلع

لفظ خلع کے علاوہ ہم معنی الفاظ میں فقہاء احناف کے نزدیک ''مباراۃ''، مفارقت، طلاق اور بیع وشراء بھی ہیں اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک خلع اور مبارات کے علاوہ صلح، فدیہ، اور مفادات کے الفاظ بھی ہیں جن سے خلع ہوجاتا ہے۔ مبارات کا لفظ خلع کی طرح عام استعمال میں ہے بالخصوص عدالتوں میں رائج ہے، جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

خلع کا ثبوت

خلع کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہے اور احادیث نبوی سے بھی، آیت قرآنی ہے:

﴿فان خفتم أن لا يقيما حدود الله فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾(البقرہ: ۲۲۹)۔

سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں پر اس مال کے لینے دینے پر کوئی گناہ نہیں جس کو دے کر عورت چھوٹ جائے۔

﴿فإن طبن لكم عن شئى منه نفساً فكلوه هنيئا مريئاً﴾ (نساء: ٤)

پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم ان کو اپنی خوشی سے کھاؤ مزیدار خوشگوار سمجھ کر۔

﴿وإن إمرأة خافت من بعلها نشوزاً أو إعراضاً فلاجناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحاً والصلح خير﴾ (نساء: ۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس

میں ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔

احادیث میں حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے کہ ان کی بیوی نے مہر میں وصول کیا ہوا باغ شوہر کو واپس کر کے خلع حاصل کیا۔

خلع کا معاوضہ

آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی بنا پر جمہور امت اس کے قائل ہیں کہ مال کے بدلہ خلع جائز ہے، ابن رشد مالکیؒ نے اس کے جواز پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، سوائے ابوبکر بن عبداللہ مزنی کے کہ ان کے نزدیک شوہر کے لئے بیوی سے طلاق کے بدلہ کچھ لینا جائز نہیں، (بدایۃ المجتہد/۸۲-۸۳) شیخ وھبہ الزحیلیؒ نے ابوبکر بن عبداللہ مزنی کے قول کو شاذ قرار دیتے ہوئے جمہور کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: شوہر کا بیوی سے خلع کے بدلہ مال لینا اس صورت میں جائز نہیں ہے جبکہ بیوی راضی نہ ہو، لیکن اگر بیوی مال دینے پر راضی ہو تو اس صورت میں یہ جائز ہے،" وهذا المعنى عند الجمهور الأخذ بغير رضاها و أماً برضاها فجائز" (الفقہ الاسلامی وادلتہ۶/۷۰۱)۔

اس بارے میں عام طور پر فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہو اور عورت تنگ آ کر خلع کی طالب ہو تو اس صورت میں عورت سے طلاق کا عوض لینا حرام ہے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو اس صورت میں معاوضہ لیا جا سکتا ہے، اس لین دین میں دونوں کے لئے کوئی حرج نہیں جیسا کہ قرآن کی صراحت ہے:

﴿فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾ (بقرہ: ۲۲۹)

معاوضہ خلع کی مقدار

مقدار معاوضہ کے سلسلہ میں شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے مہر یا اس کی رقم سے کم یا زائد عوض کے بدلہ خلع دے، مشہور فقیہ علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب

ہدایہ نے لکھا ہے کہ ’’اگر نشوز (نافرمانی) شوہر کی طرف سے ہو تو اس کا اپنی بیوی سے خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے، اور اگر نشوز بیوی کی طرف سے ہو تو اس صورت میں شوہر بیوی سے صرف اپنا دیا ہوا مال واپس لے سکتا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ (ھدایہ ۲/۳۸۴)۔

شوہر کے لئے دیئے ہوئے مال سے زائد نہ لینے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ قول ہے جو آپ ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کی بیوی کے متعلق اس صورت میں فرمایا تھا جبکہ ناانصافی عورت کی جانب سے تھی، چنانچہ جب ثابت بن قیس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیا کہ جی ہاں! باغ بھی واپس کردوں گی اور اس کے علاوہ کچھ مال بھی دوں گی تو اس پر آپ ﷺ نے: أمّا الزيادة فلا‘‘ کہہ کر زیادہ دینے سے منع فرمایا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

ایک دوسری روایت جو حضرت عطاء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلع لینے والی بیوی سے صرف وہی مال واپس لو جو تم نے بیوی کو دیا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہ لو۔ (فتح القدیر ۳/۲۰۴)

اس مسئلہ میں صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض کے نزدیک عورت کو جتنا دیا اس سے زائد لینا حرام ہے، بعض کے نزدیک زائد لینا مباح ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

اس بارے میں امام کاسانیؒ صاحب بدائع الصنائع کی بات زیادہ واضح اور مزاج شریعت سے میل کھاتی ہوئی ملتی ہے، آپ نے فرمایا: اگر ظلم وزیادتی شوہر کی طرف سے ہو تو اس کے لئے خلع کے معاوضے میں عورت سے کچھ لینا حلال نہیں، یہ حکم دیانۃً ہے لیکن اگر مرد نے معاوضہ لے لیا تو قضاءً درست ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۳/۱۵۰)

معاوضہ خلع کی نوعیت

خلع کے عوض کی نوعیت کیا ہو؟ اس بارے میں فقہاء احناف کے یہاں اصول یہ ہے کہ ہر وہ شئی جو شرعاً مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مہر میں دی جاسکتی ہے، وہ خلع کا معاوضہ ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے، علامہ علاء الدین کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"مایصلح عوضا (مهراً) فی النکاح یصلح عوضاً فی الخلع"۔ (بدائع الصنائع ۳/۱٤۷)

اس قاعدہ شرعی کے پیش نظر امام کاسانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ خلع میں جوعوض مقرر ہو، شوہر اسی وقت اس کا مستحق ہوگا جبکہ وہ مال متقوم ہو یعنی شریعت کی نگاہ میں مال ہو اور عقد خلع کے وقت موجود ہو، خواہ معلوم ہو یا مجہول، کم ہو یا زیادہ، (حوالہ سابق)۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو خلع کا عوض بنائے جو شریعت کی نگاہ میں مال نہیں ہے جیسے شراب، خنزیر وغیرہ تو اگر چہ عورت پر طلاق ہوجائے گی مگر مقررہ عوض یا اس کے بدلے کچھ ادا کرنا بیوی کے ذمہ واجب نہیں ہوگا، (فتاوی ہندیہ ا/۴۹۵) وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے یہاں یہ اصول ہے کہ اگر خلع بالعوض ہو اور کسی بنا پر عوضِ خلع باطل ہوجائے تو خلع باطل نہ ہوگا بلکہ طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ شرع اسلامی کا یہ اصول فی زماننا کافی اہمیت کا حامل ہے، بالخصوص اس صورت میں جبکہ شوہر خلع دینے کے لئے بیوی پر طرح طرح کی شرائط عائد کرتے اور مختلف قسم کا دباؤ بنا کر بیوی کو مشکل میں ڈالتے ہوں، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر خلع میں فاسد شرطیں لگائی جائیں تب بھی خلع درست ہوجائے گا۔ مشہور فقیہ برہان الدین المرغینانی صاف لکھتے ہیں:

"ان الخلع لا يبطل بالشروط الفاسدة"(فتح القدير لابن همام جلد۳/۲۰٦)

خلع شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا

اسی طرح بدل خلع اگر چہ مبہم ہو معلوم اور متعین نہ ہو تب بھی خلع ہوجائے گا، حالانکہ معاملات میں عام طور پر عوض کی پوری تعین وتحدید ضروری ہوتی ہے ورنہ معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، مگر خلع کا معاملہ عام معاملات سے مختلف ہے، اس میں خلع کا عوض اگر چہ مبہم ہو جب بھی بدل خلع کی تعیین درست ہوجاتی ہے، مثلاً: کوئی شخص یہ کہے کہ اس بکری کے حمل میں جو کچھ ہے اس پر خلع کرتا ہوں تو خلع درست ہوگا اور بکری حمل والی ہے تو اس کے حمل کا وہ

حقدار ہوگا۔(الدر المختار علی رد المحتار ۲/۵۶۰-۵۶۱)، بدل خلع میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ خلع کے عوض کو شوہر اپنے یا اپنی بیوی یا کسی تیسرے شخص کے فیصلہ پر موقوف کر دے۔

حق مہر ونفقہ سے دستبرداری

خلع کے عوض عورت اپنے کسی بھی حق سے دستبردار ہوسکتی ہے خواہ نکاح سے متعلق ہو یا دیگر دیون وحقوق سے، جیسے نفقہ عدت، زمانہ نکاح کا نفقہ، یا خود مہر، لیکن عورت کا ایسا حق جس سے دوسروں کا حق بھی متعلق ہو اس سے دستبردار نہیں ہوسکتی، جیسے حق حضانت۔مشہور فقیہ و ماہر قانون شرعی شیخ وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں::

" یسقط بالخلع فی رأی أبی حنیفة کل الحقوق والدیون التی تکون لکل واحد من الزوجین فی ذمه الآخر والتی تتعلق بالزواج الذی وقع الخلع منه کالمهر والنفقة المتجمدة لأن المقصود منه قطع الخصومة والمنازعة بین الزوجین" (الفقه الاسلامی ۹/۷۰۳۷)

حق پرورش سے دستبرداری

خلع کے عوض بچوں کے حق پرورش کے متعلق فقہاء احناف کا یہ مسلک ہے کہ بچہ کی پرورش کا حق تنہا عورت کا حق نہیں، اس سے خود اس بچہ کا حق بھی متعلق ہے، اس لئے عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خلع کے عوض اس حق سے دستبردار ہوجائے، اگر دستبرداری کی شرط لگا بھی دے تو شرط باطل ہوجائے گی، لیکن خلع ہوجائے گا اور عورت پر طلاق ہوجائے گی۔(المبسوط ۶/۱۶۹)۔

حق سکنیٰ (رہائش) سے دستبرداری

بدل خلع میں نفقہ کے ساتھ اگر حق رہائش سے دستبرداری اختیار کرے تو کیا عورت کا یہ حق ساقط ہوجائے گا؟ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس سے حق شرع بھی متعلق ہے، اس لئے اگرچہ خلع ہوجائے گا لیکن حق سکنیٰ ساقط نہیں ہوگا، صاحب الدر

المختار لکھتے ہیں:

"فتسقط النفقة لا السکنیٰ لأنها حق الشرع إلا إذا أبرأته عن مؤونة السکنیٰ، فیصح الخلع، بأن کانت ساکنة فی بیت نفسها أو تعطی الأجرة من مالها فیصح التزامها ذلك۔(الدر المختار مع رد المحتار ۳/۴۵۵)۔

علامہ حصکفیؒ اور ابن عابدین شامیؒ کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت شوہر کو بدل خلع میں سکنیٰ سے بری کردے تو یہ شرط معتبر نہیں، ہاں! اگر یوں کہے کہ وہ شوہر کی طرف سے "سکنیٰ" کے کرایہ کی ذمہ دار ہوگی تو اب یہ شرط معتبر ہوگی۔

بلا ذکر عوض خلع

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو خلع دیدے لیکن عوض کا ذکر نہ ہوا تو کیا اس سے زوجہ کا مہر ساقط ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہ حنفی میں مختلف اقوال ملتے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ عورت کا حق مہر ساقط نہیں ہوگا، ظاہر الروایہ میں یہی صراحت ہے، لیکن محیط میں ہے کہ اس وقت جو کچھ مہر عورت نے وصول کرلیا ہے وہ اس کا رہے گا، لیکن جو شوہر کے ذمہ باقی تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ (ہدایہ ۲/ ۲۷۸، فتح القدیر ۳/ ۲۱۹) البتہ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر مرد نے عورت سے عوض کا ذکر کئے بغیر خلع کیا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق سے بری الذمہ ہو جائے گا، اگر عورت مہر لے چکی ہے تو وہ مہر شوہر کو واپس کرنا ہوگا کیونکہ خلع کا ذکر ہی عرفاً مال کے ذکر کے ساتھ تصور کیا جاتا ہے۔ (فتاوی عالمگیری ۲/۲۱۹)۔

مبارات

خلع ہی طرح مبارات کا بھی رواج ہے، بالخصوص عدالتوں میں خلع ہی کی طرح اس کو استعمال کیا جاتا ہے، اس تناظر میں اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے، مبارات کے لغوی معنی ایک دوسرے سے بری ہونے کے ہیں۔

مبارات میں ایجاب (پیش کش) زوج یا زوجہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہوسکتا ہے اور اس کے قبول ہوجانے کے ساتھ ہی نکاح کی کامل تنسیخ عمل میں آجاتی ہے، اس کے لئے کسی قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں۔

مبارات اپنے اثر کے لحاظ سے خلع کی طرح طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے۔ (البحر الرائق ۴/۷۱) مبارات دراصل ایک باہمی معاہدہ ہے، جو فریقین کی رضامندی سے عمل میں آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زوجین کسی سبب سے عقد نکاح کو ختم کرنے کے لئے باہمی طور پر متفق ہوجائیں تو وہ بلا اجازت عدالت ایسا کرنے کے مجاز ہیں، شرع اسلامی میں اس طرح اپنے طور پر فریقین علحدہ ہونے کا عمل خود انجام دے سکتے ہیں، اور فریقین جو معاہدہ کریں گے اگر وہ شرع کی نظر میں فاسد نہ ہو تو وہ بھی نافذ ہوگا، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ مبارات سے زوجین کے ایک دوسرے پر جملہ حقوق جو اس وقت بسبب نکاح قائم ہوں ساقط ہوجائیں گے، اِلا یہ کہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہوگیا ہو۔

ہمارے ملک میں زوجین کے درمیان جو تنازعات پیش آتے ہیں اور شوہر بذات خود رشتہ ازدواج سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں، دوسری طرف ملکی قانون کے پیش نظر دشواریوں کا سامنا ہو تو قانون مبارات سے فریقین فائدہ اٹھاتے ہوئے باہمی رضامندی سے معاہدہ کر کے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں، اس میں دونوں کے لئے شرعاً گنجائشیں موجود ہیں۔

کچھ بنیادی اور ضروری احکام

حکم خلع کی حیثیت:

خلع سے متعلق کچھ احکام ایسے ہیں جن کی حیثیت بنیادی ہے، جن کو سامنے رکھنا ضروری ہے، ان احکام میں ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ حکم خلع کی حیثیت کیا ہے؟ طلاق کی یا فسخ وتفریق کی؟

اکثر فقہاء جن میں حنفیہ، مالکیہ اور شوافع بھی ہیں کے نزدیک یہ ہے کہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔(المغنی ۷/ ۲۴۹)،حنابلہ کے یہاں ایک قول اسی کے مطابق ہے اور ایک قول کے مطابق ''فسخ'' ہے یعنی اس کا شمارہ طلاق میں نہیں ہے، اسی طرح کی ایک رائے شوافع کی بھی ہے۔(المغنی ۷/ ۲۴۹)

اس اختلاف کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ کسی نے اپنی بیوی کو پہلے دو طلاقیں دی تھیں، پھر خلع کی نوبت آئی تو عام فقہاء کے نزدیک اب اس عورت پر تین طلاق واقع ہو چکیں۔اور جو لوگ خلع کو فسخ کہتے ہیں ان کے نزدیک دو ہی طلاق واقع ہوئیں۔

خلع کے لئے قضاء قاضی کی حیثیت

عام طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا خلع کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے؟ یا زوجین بذات خود اپنی رضامندی سے اس عمل کو انجام دے سکتے ہیں؟

اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ خلع کے لئے قاضی سے رجوع کرنا اور قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں:

”ولا يفتقر الخلع إلى حاكم نص عليه احمد فقال: يجوز الخلع دون السلطان وروى البخارى عن عمرؓ وعثمانؓ وبه قال شريح والزهرى، ومالك والشافعى واسحاق وأهل الرأى“ (المغنى ٧/٢٤٦)۔

فقہ حنفی کی کتاب المبسوط از سرخسی میں صراحت ہے کہ خلع سلطان کے سامنے بھی جائز ہے اسی طرح غیر سلطان کے سامنے بھی:

”والخلع جائز عند السلطان وغيره“ (المبسوط للسرخسى ١٧٣/٦)۔

خلع کے لئے حکم (ثالث) کی حیثیت اور اختیارات

خلع سے متعلق ایک اہم بحث یہ بھی آتی ہے کہ اگر زوجین کے درمیان اختلاف بڑھ جائے اور اس کے حل کے لئے قاضی حکم (ثالث) مقرر کرے تو حکم کے کیا اختیارات

ہوں گے؟اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اختیار مکمل طور پر مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، قاضی خود یا قاضی کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حکم بطور خود عورت کو طلاق نہیں دے سکتا، اس نقطۂ نظر کی تائید میں احناف اس عام اصول کو سامنے رکھتے ہیں کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے اور خلع بھی مال کے عوض میں طلاق ہی ہے، اسی لئے مرد کی آمادگی بہرطور ضروری ہوگی، اسی بنا پر ان کے یہاں حکمین کی حیثیت زوجین کے وکیل کی ہوتی ہے اور وہ انہی حدود ہی میں رہ کر اقدام کرسکتا ہے جو زوجین نے متعین کردی ہیں۔

اس کے برخلاف امام مالک یہ رائے رکھتے ہیں کہ قاضی زوجین کے حد سے گذرے ہوئے باہمی اختلاف کی صورت میں ایک دورکنی کمیٹی تشکیل دے گا، جس میں بہتر ہے کہ ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت کا اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے تو دونوں میں یہ کمیٹی مصالحت کرادے اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے اور ارکان کمیٹی کی رائے ہو کہ باہم تفریق اور علاحدگی کردی جائے تو وہ بھی کرسکتے ہیں، اس کی عملی شکل یہ ہوگی کہ مرد کے رشتہ دار حکم طلاق دے اور عورت کا رشتہ دار حکم مہر معاف کردے یا جو معاوضہ مناسب سمجھے عورت کو اس کی ادائیگی کا پابند کرے اور دونوں میں تفریق کردے۔

مالکیہ نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اس آیت کریمہ کو سامنے رکھا ہے:

﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من اهلها إن يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما﴾ (النساء: ۳۵)

اگر تم کو ان دونوں کے درمیان شدید اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ایک حکم مرد و عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا۔

اور اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ آیت کے مخاطب قضاۃ اور حکام ہیں اور اکثر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے

''حکم'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی خود فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔ تیسری بات اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے ''إن یریدا اصلاحاً'' کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمین کی طرف ارادہ اور چاہنے کی نسبت ہے اور یہ بات اسی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے جو کسی کام کے کرنے اور اس کے خلاف اقدام کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔

استدلال کے ان پہلوؤں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کی رائے زیادہ قوی اور لائق توجہ ہے، اور اکثر فقہاء کی رائے بھی یہی ہے، صحابہ میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہی نقل کیا گیا ہے، اس موضوع پر تفصیلی گفتگو فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کی کتاب ''طلاق وتفریق'' میں موجود ہے، مولانا موصوف نے علماء کرام اور ارباب افتاء کو موجودہ حالات کے تناظر میں اس جانب غور کرنے پر توجہ دلائی ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں ''طلاق ثلاثہ'' قانون آنے کے بعد اس مسئلہ میں جو پیچیدگیاں آئی ہیں، ان کا حل مالکیہ کی رائے پر عمل کرنے سے کافی حد تک آسان اور کئی مسئلوں میں فقہ مالکی سے استفادہ کرتے ہوئے حل نکالا بھی ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اقدام اور ان کی جدوجہد نیز ''الحلیۃ الناجزۃ'' جیسی کتاب بطور نمونہ موجود ہے۔

یہ مسئلہ اس تناظر میں بھی کافی اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے کہ جب کہ عام طور پر عائلی مسائل سے دلچسپی رکھنے اور مختلف اقوام کے پرسنل لا پر نظر رکھنے والوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ طلاق دینے کا کلی اختیار جب مرد کو حاصل ہے اور عورت کو خلع کرانے کی اجازت حاصل ہے، وہ بھی مرد ہی کی صوابدید واختیار پر موقوف ہے تو عورتوں کو مردوں سے علحدگی کا اختیار کہاں رہ جاتا ہے؟ اور عدالت کو بھی اس معاملہ میں کوئی قانونی اختیار حاصل نہیں ہے، بالخصوص جب مرد ظلم وسرکشی پر اتر آئے اور عورت کو چھٹکارا نہ دینے پر تلا رہے تو ایسی صورت میں عورت کے لئے چھٹکارا کی کیا شکل رہ جاتی ہے؟

بلاشبہ یہ سوال مرد وعورت کے یکساں حقوق کے رجحان کے دور میں ٹالا نہیں جاسکتا اور مرد کو دیئے ہوئے اختیار طلاق کے اسباب ومصالح کو بتا کر موجودہ ذہن کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلامی نے مرد کو جن اسباب ومصالح کے پیش نظر طلاق کا اختیار دیا ہے، وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور مرد وعورت دونوں کے مفادات کے مطابق ہیں، ان سب کے باوجود اس باب میں عورت کے لئے شوہر سے علحدگی اختیار کرنے کا جو راستہ خلع کی صورت میں شریعت نے بتایا ہے، وہ بھی مرد کی صوابدید پر موقوف ہونے کی صورت میں عام ذہنوں میں نقص کا پہلو رکھتا ہے۔

ناچیز کے خیال میں سیدنا امام مالکؒ جیسے عظیم المرتبت اور ملت اسلامیہ کے ممتاز فقیہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے وقت کے قضاۃ وحکام دورکنی کمیٹی تشکیل دے کر زوجین کے درمیان مصالحت نہ ہونے کی صورت میں اپنا اختیار استعمال کر کے عورت کو ہٹ دھرم شوہر سے چھٹکارا دلا کر یہ نقص دور کیا جاسکتا ہے۔

شوہر کی طرف سے خلع کی پیش کش

جمہور فقہاء کے نزدیک خلع کی پیش کش شوہر کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے اور اس کا حکم وہی ہوگا جو عورت کی طرف سے پیش کش کرنے میں ہے، فقہاء احناف نے بھی اسے تسلیم کیا ہے لیکن اسے یمین کے درجہ میں مانا ہے، یعنی یہ پیش کش ناقابل واپسی اقرار ہے، جس کا اثر یہ ہوگا کہ شوہر اپنی بات سے رجوع نہیں کرسکتا، اسی طرح شوہر نے جس مجلس میں خلع کی پیش کش کی ہے اس کے بعد بھی بیوی کو خلع کا حق باقی رہتا ہے، مجلس تک محدود نہیں رہتا، البتہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلع کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرے یا مستقبل کے کسی وقت کے ساتھ متعلق کردے، ایسی صورت میں اس مقررہ وقت کے آنے ہی پر عورت کا قبول معتبر ہوگا، مثلاً شوہر اگر یہ کہے کہ فلاں جب آجائیں تو اس وقت تجھے فلاں عوض پر خلع دوں گا تو اس شخص کے آنے پر عورت شرط پوری کر کے خلع حاصل کرسکے گی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وھبہ الزحیلی ۷۰۱۶/۹)

خلع کا قانونی پہلو

ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ خلع سے متعلق مسلمانوں کے لئے کوئی مستقل قانون وضع نہیں کیا گیا ہے، البتہ جج حضرات مسلم پرسنل لا کے تحت قانون شریعت کی شقوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ سناتے یا بسا اوقات دارالقضاء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس بارے میں ناچیز کے پاس باقاعدہ معلومات نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی ڈائریکٹری ہے جس سے معلومات حاصل کی جاسکے۔

جہاں تک ممالک اسلامیہ اور عرب ملکوں کے قوانین میں قانون خلع کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں عام طور پر وہی قوانین نافذ ہیں جو شریعت کے احکام ہیں، جمہوریہ اسلامی مصر میں حسب احکام دفعہ ۲۸۰ قانون نمبر:۳۱ بابت ۱۹۱۰ء اس کے لئے عام حنفی قانون کے مطابق عمل کی اجازت ہے، چنانچہ مجموعۃ الاحکام الشرعیہ کی کچھ دفعات ۲۷۳ تا ۲۷۸ اس موضوع پر ملتی ہیں، شام اور عراق میں بھی تقریباً یہی دفعات ہیں اسی طرح دیگر مسلم ممالک میں اسی قسم کی دفعات پائی جاتی ہیں۔

اس موضوع پر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب ''مجموعہ قوانین اسلام جلد دوم'' میں کچھ معلومات فراہم کی ہیں۔

خلع اور مبارات سے متعلق کچھ سوالات وجوابات

خلع اور مبارات سے متعلق ہمارے وکلاء کی طرف سے کچھ سوالات موصول ہوئے ہیں، یہاں ہم ان سوالات کے ساتھ ان کا مختصر جواب بھی درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

سوال: ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان بیوی کو خلع کا جو حق دیا گیا ہے اس کا موازنہ مسلم شوہر کو دیئے گئے حق طلاق کی طاقت سے نہیں کیا جاسکتا، ایسا کیوں؟

جواب: بلاشبہ یہ ایک اہم سوال ہے، اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں اسلام کے نظام نکاح

وطلاق کو سمجھنا ہوگا، قانون نکاح وطلاق پر غور کریں گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اسلام نے زوجین کے مابین تمام سسٹم میں اہم ذمہ داریاں شوہر کے ذمہ رکھی ہیں، تمام مالی ومعاشی ذمہ داریاں شوہر پر ہیں، مہر ہو یا نان ونفقہ یا رہائش، نیز بچوں کے تمام تر اخراجات باپ کے سر ہیں اور عورتوں پر کسی طرح کی مالی ومعاشی ذمہ داریاں نہیں رکھیں، جس کا فطری اور قانونی تقاضا یہی ہونا چاہئے کہ جنہوں نے عقد نکاح کے ذریعہ یہ ذمہ داریاں قبول کی ہیں، انہی کی صوابدید اور اختیار سے یہ ختم ہوں، اس سسٹم میں اگر عورت کو یکساں اختیار اور قوت حاصل ہوتو فریق ثانی پر ایسی زیادتیاں ہوتیں، جن کا تدارک ممکن نہ ہوتا اور یہ نظام عدل وانصاف کے تقاضے کے خلاف ہوتا، اگر عورت کو طلاق وخلع کا کلی اختیار ہوتا تو اس صنف نازک کی فطری جذباتیت، تلون مزاجی اور بسا اوقات نتائج سے بے خبری جو اگر چہ اپنے اندر ایک حسن رکھتی ہیں لیکن ان کا خمیازہ مسلسل فریق ثانی کو بھگتنا پڑتا، پھر غور کیا جائے کہ علحدگی کی صورت میں عورت کے لئے اسلامی نظام معاشرت کے اعتبار سے دوسری نئی ازدواجی زندگی کا آغاز مشکل نہیں بلکہ آسان ہوتا، لیکن مرد کے لئے تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ پھر گھر بسانا آسان نہیں بلکہ دشوار کن مرحلہ ہوتا، یہ باتیں ہمارے ہندوستانی ماحول کے تناظر میں اگر چہ بے جوڑ اور غیر منطقی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اسلامی معاشرہ میں ان کا سمجھنا دشوار نہیں، علاوہ ازیں شرع اسلامی نے طلاق جیسے قوی اختیار دے کر شوہر کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے بلکہ بہت سی پابندیاں لگا کر مردوں کو حقوق زوجیت کی ادائیگی اور حسن معاشرت کے اصولوں میں جکڑ دیا ہے۔

سوال: ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ شوہر خلع کے لئے سخت شرائط عائد کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی اپنی شرائط کیسے مؤثر بنا سکتی ہے؟

جواب: اصولی جواب یہ ہے کہ شرع اسلامی نامناسب شرائط کو قبول نہیں کرتا ہے، اگر شوہر غیر شرعی شرائط لگا بھی دے تب بھی خلع ہو جائے گا اور شرائط غیر معتبر ہوں گی، مقالہ میں پیچھے فقہاء کی عبارتیں درج ہیں۔

سوال: ازدواجی بندھن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بیوی کے پاس خلع یا اس

کے علاوہ کیا کوئی اور طریقہ ہے جسے وہ زبردستی چھٹکارا پا سکے؟

جواب: اسلامی قانون میں اس کی بہت سی گنجائشیں ہیں، قانون فسخ وتفریق موجود ہے، دارالقضاء سے رجوع کر کے عورت اپنی باتیں رکھ کر بذریعہ قاضی چھٹکارا حاصل کر سکتی ہیں، یا بذریعہ حکم بغیر قضاء قاضی کے علحدگی حاصل کی جاسکتی ہے۔

سوال: کیا خلع کے لئے حلالہ ضروری ہے؟ اگر بیوی دوبارہ پہلے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟

جواب: خلع سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اس لئے اس میں حلالہ کی ضرورت ہی نہیں ہے، دوبارہ نکاح کر کے دونوں ایک ساتھ ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

سوال: اگر شوہر نے خلع کے لئے نابالغ بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کی شرط عائد کی، تو کیا یہ شرط دودھ پلانے والی ماں کے لئے سخت نہیں ہوگی؟

جواب: یہ شرط غیر شرعی اور فاسد ہے، یہ غیر معتبر ہوگی اور خلع درست ہو جائے گا، اور عورت چھٹکارا پالے گی۔

سوال: کیا خلع میں عدت ضروری ہے؟

جواب: طلاق کی طرح خلع میں بھی عدت ضروری ہے، عدت کے بعد ہی عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے گی۔

اس مجلس میں اسی حد تک گفتگو پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اللہ رب العالمین سے حق وصواب اور مزید ہدایت وتوفیق کی دعا مانگتا ہوں۔ ☆☆☆☆